منظور کردہ ڈائرکٹر صاحب بہادر محکمہ تعلیم پنجاب
مطابق سرکلر نمبر 28628 جی مورخہ 28-10-47

غلام سے آقا

کتاب منزل کشمیری بازار لاہور

PRICE 0-6-0
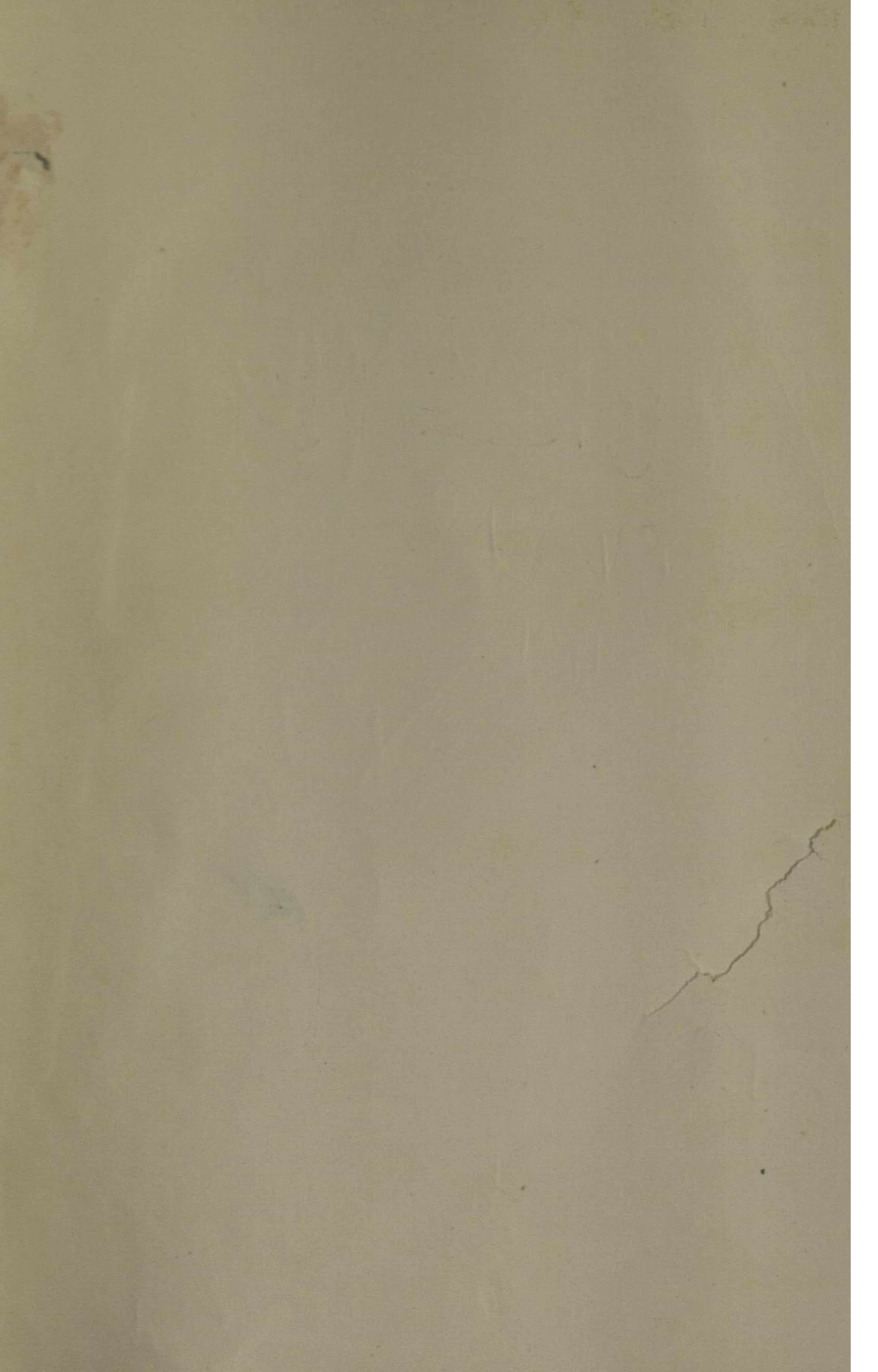
(سلسلہ)

پڑھو اور پڑھاؤ

غلام سے آقا

چودھری محمد حسین - بی اے - بی ٹی

ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر

پبلشرز

کتاب منزل - کشمیری بازار - لاہور

قیمت ۱ر

سلسلہ مطبوعات نمبر ——— ۱۶۰
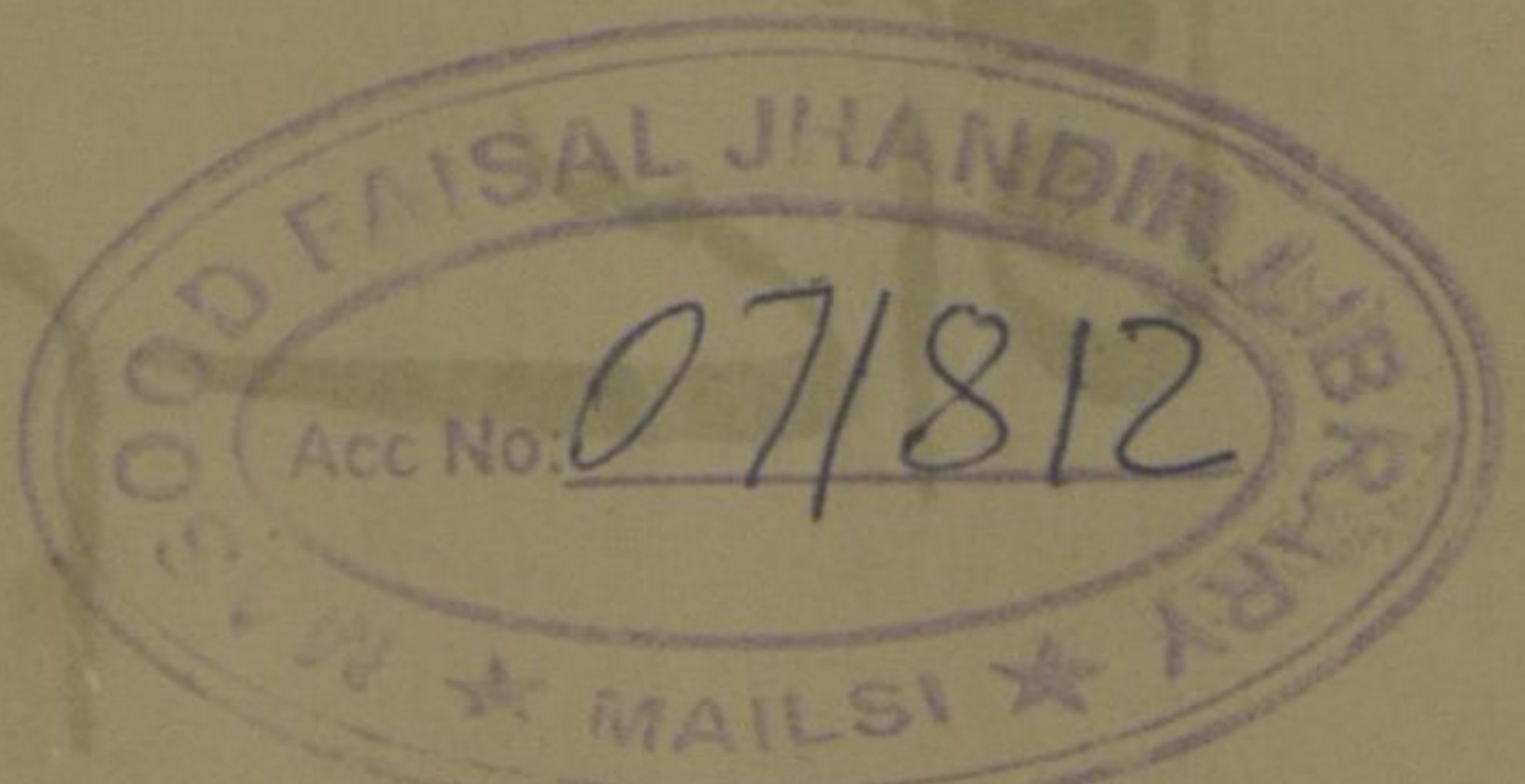
شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے علمی پرنٹنگ پریس لاہور
میں چھپوا کر، کتاب منزل، کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

بات چیت

اِن کہانیوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اِنسان اچھے اور نیک کام کرنے سے عزّت اور مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو ؛

حضرت یوسفؑ غلام بن کر بکے۔ مگر مصر شام اور کنعان کو قحط کی تباہی سے بچالیا۔ ورنہ ایک شخص بھی شاید زندہ نہ بچ سکتا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی تمام قوم کو غلامی سے نجات دِلا کر سیدھے راستے پر ڈالا۔ حضرت لقمانؑ نے ایسی عمدہ دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں بیان کیں کہ آج تک ان سے لوگ سبق حاصل کرتے ہیں۔ بچے سے لے کر بوڑھے تک ان نصیحتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ؛

زبان نہایت سادہ استعمال کی گئی ہے۔ تاکہ "اَن پڑھ" بالغ اور چھوٹی جماعتوں کے لڑکے فائدہ اٹھا سکیں۔ جو لفظ مشکل سمجھا اُس کے معنی ساتھ دے دیے ہیں ؛

(مصنّف)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	غلامی	۵
۲	عزیزِ مصر	۱۰
۳	غلام رہبر	۲۳
۴	لقمان	۳۶
۵	کل کے واسطے کچھ بچاؤ	۴۲
۶	زمین کی دَولت	۴۵
۷	دُوسروں کا سہارا	۴۸
۸	چور کا ساتھی	۵۱

غُلامی

پچھلے زمانے میں انسان بھیڑ بکریوں کی طرح بازاروں میں بِکا کرتے تھے۔ اِنسانوں کی مَنڈیاں لگتیں، نیلامی ہوتی یا ویسے ہی سَودے ہو جاتے۔ خریدار اُن کو گھر لے جاتے، اُن کے مالک بن جاتے، اُن سے سخت مُشقّت کا کام لیتے۔ جس

طرح چاہتے سلوک کرتے ، ذرا سی ناراضگی یا خفگی پر اُنھیں فاقے دیتے یا اندھیری کوٹھڑی میں زنجیریں ڈال کر بند کر دیتے۔ نہایت سخت مار پیٹ کرتے۔ اپنی وحشی طبیعت سے مجبور ہو کر بعض لوگ محض تفریح[1] کی خاطر چیر پھاڑ کا تماشا دیکھنے کے لیے اُنھیں درندوں کے آگے ڈال دیتے یا سخت اِیذا[2] دے کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے مار ڈالتے نہ کوئی عرضی پرچہ نہ نہ داد نہ فریاد۔ درد اَور تکلیف کا خاتمہ اَور ظلم کی اِنتہا[3] بیچارے غلام کے خاتمے سے ہی مکمل ہوتی ؛

جو آدمی کمزور ہو جاتا یا لڑائی میں ہار جاتا۔ وہ غُلامی کے چکّر میں آ جاتا۔ اکثر

[1] خوشی ؛ [2] تکلیف، درد، دُکھ ؛ [3] خاتمہ ؛

آدمی محض غلاموں کی کثرت کی بنا پر امیر کہلاتے۔ آج کل کی تجارتی اشیا[1] کے سوداگروں کی طرح پچھلے زمانے میں غلاموں کے سوداگر بھی ہؤا کرتے تھے۔ سستے داموں بہت سے اِنسان خرید لیتے۔ کِسی جنگ و جدل میں پکڑ لاتے، چھوٹے موٹے گاؤں پر چھاپہ مار کے عورت، مرد، بچّہ جو بھی ہاتھ لگتا پکڑ لاتے۔ جہازوں میں لاد کر دُور دُور مُلکوں میں لے جاتے اَور خُوب نفع کماتے۔ یُورپ اَور ایشیا میں اس قِسم کی سَوداگری کا عام رواج تھا۔ جب امریکہ کا مُلک دریافت ہؤا۔ تو انگریزوں اَور فرانسیسیوں نے وہاں کے اصلی باشِندوں کو بھی غلام بنا لیا مگر غلاموں کا خاص ذخیرہ[2]

---

[1] جمع ہے شے کی معنی چیزوں [2] گودام

افریقہ کا مُلک تھا۔ وہاں کے حبشی دُنیا بھر کی منڈیوں میں بطور غلام فروخت ہوتے تھے۔ کیونکہ قیمت بہت تھوڑی پاتے۔ اَور جفاکش بہت زیادہ ہوتے تھے ؂

ایک دفعہ جو کوئی اِنسان غلامی میں آ جاتا وہ خود تو ایک طرف اس کی کئی پُشتیں غلام ہی کہلاتیں۔ ہاں کبھی اَیسا بھی ہوتا کہ کوئی رحم دِل انسان کِسی غلام کو اُس کی خدمت کے بدلے میں کُچھ آسائشیں دے دیتا یا آزاد کر دیتا۔ کبھی اَیسا بھی ہوتا کہ غلام اپنی قابلیت اَور خاص صِفتوں کی بدولت آزادی یا خاص عزّت حاصل کر لیتا ؂

اِس بات کو سب سے پہلے اِسلام نے رواج دِیا تاکہ غلامی ختم ہو جائے۔

اِس قِسم کے تین آدمیوں کا ذِکر آپ
کو سُناتے ہیَں۔ جو اُس زمانے کے
مطابق تھے تو غلام مگر انھوں نے اَیسا
عروج حاصِل کیا کہ اُن کا نام رہتی دُنیا
تک رہے گا۔ ہمیشہ لوگ اُن کی عِزّت
کریں گے ؂

عزیزِ مصر

شام کے مُلک میں ایک بندۂ خُدا رہا کرتے تھے۔ یعقوبؑ نام۔ نہایت نیک سیرت، بہت نیک خُو۔ لوگوں کو بُرے کاموں سے روکتے، بُت پرستی سے منع کرتے، خُدا کو ایک مانتے، وعظ نصیحت کرتے کہ خُدا کا شریک کِسی کو نہ بناؤ۔ لوگوں میں اُن کی بڑی عِزّت تھی۔ وہ نبی تھے۔ پیغمبر تھے ؛

حضرت یعقوبؑ کے بارہ لڑکے تھے۔

ایک لڑکا یوسف نام نہایت خوبصورت اور نہایت عقل مند تھا۔ بڑے بھائی اُس سے بہت رشک کرتے۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ اُسے سب سے زیادہ پیار کرتے۔ ہر وقت اپنے پاس رکھتے۔ بھائیوں کے ساتھ یا اکیلے باہر نہ جانے دیتے۔ کہتے کہ سوتیلے بھائی حسد کی وجہ سے اُسے کہیں مار نہ ڈالیں یا کوئی اور نقصان نہ پہنچا دیں ؛

ایک دن سب مل کر باپ سے کہنے لگے "ابا جان! آج برسوں بعد بارش ہوئی ہے بہت اچھا دن ہے۔ آج ہم شکار کھیلنے جائیں گے اور یوسفؑ بھائی کو تو ضرور ساتھ لے جائیں گے"۔ یعقوبؑ بولے۔ کہ "میں تو یوسفؑ کو ہرگز نہ جانے دوں گا۔ جنگل کا

معاملہ نہ جانے کوئی بھیڑیا اُسے اُٹھا لے جائے اَور تم شکار میں مشغول رہو۔ یا ڈر کر بھاگے اَور کسی گڑھے وڑھے میں جا گرے نہ بابا بیٹا تو اُسے شکار پر نہیں بھیجتا"۔

بھائیوں نے ضِد کی اَور کہا کہ "یوسف آخر ہمارا بھائی ہے۔ سوتیلا ہُوا تو کیا ہم اس کے دشمن تو نہیں آپ کوئی فِکر نہ کریں"۔ آخر اُن کی خوشامد اَور ضِد پر باپ راضی ہو گیا۔

سب خوشی خوشی چل پڑے۔ جتنی دُور تک باپ دیکھتا رہا یوسفؑ کو کبھی ایک بھائی کندھے پر بٹھاتا، کبھی دُوسرا۔ خُوب پیار کیا، بہت محبّت جتائی، مگر جونہی جنگل میں پہنچے اَور باپ کی آنکھوں سے اوجھل ہوئے تو یک دَم سب کی آنکھیں بدل

گنتے۔ ایک نے کندھے پر سے اُتار پھینکا
بھائی بھائی کہتا دُوسرے کے پاس گیا تو اس
نے تھپڑ لگا دیا۔ تیسرے نے لات رسید کی۔
کسی نے مُکّا مارا۔ کسی نے مُنہ چڑایا۔ یوسفؑ
نے بہت مِنّت سماجت کی مگر اُن کو تو
شیطان نے بہکایا ہُوا تھا۔ مدّت کے بعد
حسد پورا کرنے کا موقع مِلا تھا۔ اُسے قتل
کر دینا چاہا۔ آخر فیصلہ یہ ٹھہرا کہ اپنے ہاتھ
سے قتل نہ کریں بلکہ اُسے ایک پاس ہی
کے اندھیرے کنوئیں میں پھینک دیں۔
خود بخود مر جائے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے
اُسے ایک پرانے کوئیں میں پھینک دیا۔
کوئیں کا پانی کم گہرا تھا یا شاید سُوکھ چُکا
تھا۔ اس لیے یوسفؑ کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔
بچّہ تھا آخر، سہم گیا، ڈر گیا۔ ہائے ابّا۔

ہائے امّاں کہہ کر رونے بلکنے لگا ؁

پھینکنے سے پہلے یوسفؑ کا کُرتہ اُتار لیا گیا تھا۔ ایک جنگلی جانور مار کے اُس کے خون میں کُرتا بھگو کر جھوٹ موٹ کے روتے سَر پیٹتے باپ کے پاس واپس پہنچے اور کہا۔ کہ "یوسفؑ کو بھیڑیا اُٹھا لے گیا۔ اُس کے چھڑانے میں صِرف کُرتے کے ٹکڑے ہمارے ہاتھ آئے۔ باپ کو یقین تو نہ آیا۔ مگر کرتا کیا! صبر کیا۔ یوسفؑ کی یاد میں روتے روتے ہر وقت خدا سے فقط یہی دُعا کرتے۔ کہ "یارب! میرے یوسف کو مجھ سے مِلا دے۔" حضرت یعقوبؑ کا رونا ضرب المثل ہو گیا ہوا ہے ؁

یوسفؑ اگرچہ لڑکا ہی تھا۔ مگر تھا

عقل مند۔ کوئیں میں گر کر کیسی نہ کسی طرح
کچھ وقت گزارا۔ نکلنے کی سبیلیں[1] سوچ ہی
رہا تھا کہ ادھر سے سوداگروں کا ایک
قافلہ گزرا۔ چند آدمی پانی لینے کوئیں پر
آئے۔ یوسفؑ اونچی آواز میں رو رو کر
خدا سے دعا کر رہا تھا۔ کہ سوداگر کے آدمی
وہاں پہنچے۔ پہلے تو جن بھوت سمجھ کر کچھ
ڈر گئے۔ مگر آخر یوسفؑ کے یقین دلانے
پر اُسے باہر نکال کر سردارِ قافلہ کے پاس
لے گئے۔ سردار نے جب سوتیلے بھائیوں
کا برتاؤ ایسے پیارے خوبصورت معصوم
بچّے سے سُنا۔ تو اس کی آنکھوں میں آنسو
بھر آئے۔ ابھی ایک دوسرے سے گفتگو
کر ہی رہے تھے کہ یوسف کے بھائی بھی

[1] ترکیبیں۔

ادھر آ نکلے۔ وہ در اصل دیکھنے آئے تھے
کہ یوسفؑ مر گیا کہ نہیں۔ یوسفؑ کو سوداگر
کے پاس کھڑا دیکھ کر انھوں نے دعویٰ کیا۔
کہ یہ ہمارا بھاگا ہُوا غلام ہے۔ ہم تو اسے ہی
ڈھونڈ رہے ہیں۔ کچھ بحث کے بعد آخر
سَودا یہ چُکا۔ کہ سوداگر نے یوسفؑ جَیسا
خُوبصورت غلام نہایت سَستے داموں خرید
لِیا اَور بھائیوں نے کہا۔ کہ چلو بَلا ٹلی۔
گھر کو تو نہ لَوٹے گا اَور پَیسے مُفت
میں مِل گئے۔

یہ قافلہ مِصر پہنچا۔ یوسفؑ کو غلاموں
کی منڈی میں لے گئے۔ اس کی خُوبصورتی
اَور عقل مَندی کی شہرت سُن کر دُور
دُور سے لوگ خریدنے آئے۔ سَوداگر نے
اس کی قیمت بہت زیادہ رکھ دی۔ آخر

مِصر کے بادشاہ فرعون کے وزیرِ اعظم (عزیز) کی بیوی نے ایک اَیسے غلام کی شُہرت سُنی تو خُود دیکھنے آئی۔ اَور فوراً کئی ہزار رُوپے اَدا کر کے یوسفؑ کو خرید لیا۔ یوسفؑ اب پُورا غلام تھا۔ محل میں پہنچ کر اُس نے اَیسی تہذیب اور اَیسے شعور سے کام کِیا کہ سب اُس کی عِزّت کرنے لگے عزیزِ مِصر کی بیوی زلیخا کو اس سے خاص اُنس[1] پیدا ہو گیا اَور اُسے اپنے گھر کا کرتا دھرتا بنا دیا۔

فرعون۔ اُس کے وزیر، اُس کی بیوی اَور دُوسرے امیروں وزیروں کی بہت سی غلط اَور ناجائز باتوں کو دیکھ کر یوسفؑ کو بہت رنج ہوتا۔ جب اُنھیں سمجھاتا تو وہ کہہ دیتے

[1] محبّت۔

"چل بے، غلام ہو کر ایسی باتیں کرتا ہے"۔
اکثر دفعہ اُنھیں نیک مشورہ دینے کے عوض
میں اُسے چھوٹی موٹی سزا بھی مِل جاتی۔
چونکہ زلیخا اُس کی بہت قدر کرتی تھی۔
لوگوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں کہ عزیزِ
مِصر کی بیوی ہو کر ایک غلام کو اِتنا سر
چڑھا رکھا ہے۔ ایک دفعہ زلیخا نے بہت
سے امیروں وزیروں کی بیویوں کی دعوت
کی۔ جب وہ پھل کھانے لگیں تو زُلیخا نے
یوسفؑ کو آواز دی۔ اُس نے نہایت تمیز
سے جواب دیا اور نہایت ادب سے سامنے
آ حاضِر ہؤا۔ عورتوں نے جب اس کی طرف
دیکھا تو ایسی مبہوت ہوئیں کہ چھُریوں سے
پھل کاٹنے کی بجائے اپنی اُنگلیاں کاٹ
لیں۔ دسترخوان لہُو لہان ہو گیا۔ جس طرح

حضرت یعقوبؑ کا رونا ضربُ المثل ہے۔ اسی طرح یوسفؑ کی خُوبصورتی[1] بھی ضرب المثل ہو چکی ہے ؛

ایک دفعہ زُلیخا نے یوسفؑ کو ایک بُرا کام کرنے کا حکم دیا اُس نے اِنکار کر دِیا۔ زلیخا پہلے تو اُسے قتل کرا دینے لگی۔ مگر آخر قید خانے بھیج دیا۔ وہاں بھی یوسفؑ نے قیدیوں کو وَعظ نصیحت شروع کر دی ؛

جِس خاص بات میں یوسف ماہر تھا۔ وہ خوابوں کی تعبیر[2] بتانا تھی۔ ایک قَیدی کے خواب کی تعبیر میں اُسے بتایا کہ تُو بادشاہ کا مُقرَّب[3] ہو گا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مُقرَّب ہو کر بادشاہ سے میرا اَور میری بے گُناہی کا ذِکر بھی کرنا ؛

---

[1] "حُسنِ یوسف" ؛ [2] فال نتیجہ ؛ [3] قریب ہونا۔ پیارا ہونا۔ نزدیکی ؛

تیسرے دِن ہی وہ قیدی رہا ہو کر بادشاہ[۱] کا مُقرّب بن گیا۔ خوشی میں وہ یُوسفؑ کی بات بھُول گیا۔ دو چار سال بعد خود بادشاہ[۱] نے ایک خواب دیکھا۔ سب عالموں حکیموں سے اُس کی تعبیر پُوچھی مگر کوئی نہ بتا سکا۔ بادشاہ سخت ناراض ہُوا۔ دو چار کو مروا ڈالا۔ چند ایک کو دربار سے نکال دیا۔ آخر مُقرّب کو خیال آیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ جیل خانے میں ایک غلام قیدی ہے۔ جو یقیناً صحیح تعبیر بتا دے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ بڑے بڑے عالم اور حکیم نہ بتا سکے وہ غلام بچارا کیا بتائے گا! آخر یوسفؑ کو دربار میں بُلایا گیا۔ سُن کر اُس نے فوراً ہی اس کی مُفصّل تعبیر کر بتائی۔ "مصر میں سات سال بہت اچھّی

[۱] فرعونِ مصر، مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہتے ہیں ؛

پیداوار ہوگی اَور سات سال نہایت سخت قحط
پڑے گا۔" ساتھ ہی قحط کی سختی کو کم کرنے کی
تدبیر بھی اس طریق سے بتائی کہ بادشاہ
عَش عَش کر اٹھا۔ اَور سب اِنتظام اَور بندوبست
یوسفؑ کے ہی سپرد کر دیا۔ یوسفؑ نے سب
اِنتظام اِس عُمدگی سے کیا کہ آخر کار وہ
وزیرِ اعظم یعنی عزیزِ مِصر بن گیا۔ قحط کے
زمانے میں یُوسفؑ کے بھائی بھی غلّہ اَور
مدد لینے آئے۔ کیونکہ کِنعان میں بھی قحط کا سخت
اثر پڑا تھا۔ یوسفؑ نے بھائیوں کے ساتھ
اس طرح کا سلوک کیا۔ کہ آخر حضرت یعقوبؑ
اَور ان کا سارا خاندان مِصر میں چلے آئے
دستور کے مطابق بھائیوں نے یوسفؑ کو
سجدہ کیا۔ یوسفؑ نے ان سب کی خوب مدد
کی ۞

حضرت یعقوبؑ کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ اسرائیل کے معنی ہیں "خدا کا بندہ" چونکہ وہ بڑے خدا پرست تھے۔ لوگوں کو وعظ نصیحت کرتے رہتے تھے۔ لوگ انھیں بزرگ خدُا رسیدہ اور پیغمبر جانتے تھے۔ اس واسطے ان کا یہ نام پڑ گیا تھا۔ مصر میں آ جانے کے بعد اُن کی اولاد خوب پھلی پھُولی اور بڑھی۔ ان کی اولاد کو "بنی اسرائیل" کہتے ہیں۔

یوسفؑ اگرچہ تھے تو ایک پیغمبر کے بیٹے مگر چونکہ بطور غلام بک گئے۔ اس واسطے باوجود خود بھی پیغمبر ہونے کے مصر میں مدّت تک غلام ہی مشہور تھے۔ اکثر لوگ کہتے کہ "خواہ وہ عزیزِ مصر بن گیا ہے۔ مگر آخر ہے تو غلام ہی"۔

غُلام رَہبَر

مِصر کا مُلک اپنی تہذِیب اور اپنے علم و ہُنر کی وجہ سے تمام دُنیا میں مشہور تھا۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد جب حضرت یُوسفؑ کی وجہ سے مصر میں آباد ہو گئی۔ تو علم و ہُنر کی اتنی ترقی ہو گئی۔ اَور مِصر کے بادشاہ یعنی فِرعَون اِتنے امیر اور مغرور ہو گئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا کہلوانے لگے۔ لوگ انھیں سجدہ کرتے۔ اسی زمانے میں پیشن گوئیوں، نجوم اَور جادُو کا بڑا زور تھا۔

بنی اسرائیل اب تمام مِصر میں پھیل
چکے تھے۔ مگر بُرے کاموں میں پڑ جانے
کی وجہ سے وہ بڑے ذلیل سمجھے جاتے
تھے۔ جس طرح ہندوستان میں شُودر
اَور چمار وغیرہ ذلیل فرقے سمجھے جاتے ہیں
اسی طرح مصر میں بنی اسرائیل غُلام اَور
کمینے سمجھے جاتے تھے۔ تعلیم حاصل نہیں
کر سکتے تھے، کوئی اچّھا سرکاری عہدہ
نہیں پا سکتے تھے، ان پر بہت زیادہ
ظُلم ہوتے تھے، وہ خود بھی نہایت تنگ
تھے۔ مُلک چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتے
تھے۔ مگر حکومت انھیں بھاگنے بھی تو
نہیں دیتی تھی۔ غلاموں اَور نوکروں کے
بغیر امیروں کا کام کیسے چلتا۔ اکثر کی تو
اِتنی غلامانہ ذہنیت ہو چکی تھی کہ باوجود

موقع ملنے کے بھی وہ کہیں نہ جاتے غرضیکہ
بنی اسرائیل کی ذِلّت کی انتہا ہو چکی تھی ؛
کسی نجومی نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ
تمام بنی اسرائیل کو تہ تیغ کروا دے۔
کیونکہ وہ فرعون کو مار کے خود مصر پر
قابض ہونا چاہتے ہیں۔ ایک نے کہا کہ
ابھی وہ وقت نہیں۔ جو اس وقت موجود
ہیں، ان کو اسی طرح غلام رہنے دیجیے،
نگرانی ذرا کڑی کر دیجیے، البتہ جو لڑکا بھی
اب بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہو، قتل
کر دیا جائے۔ فرعونی حکم ہو گیا۔ بنی اسرائیل
کے ہزاروں بچّے قتل کر دیے گئے اُور آئندہ
کے واسطے حُکم ہو گیا کہ اسرائیل غُلاموں
کے ہاں جو بھی لڑکا پیدا ہو، فوراً اُٹھا
لایا جائے اُور قتل کر دیا جائے۔ ایک

خاص سرکاری افسر مقرر ہو گیا اور اُس
کے ماتحت کافی عملہ رکھ دیا گیا۔

آخر سارے کے سارے بنی اسرائیل
بدکن شرارتی اور ذلیل نہ تھے۔ چند کُنبے
ایسے بھی تھے جو نیک اور صالح[1] زندگی
بسر کرتے تھے۔ ظُلم بھی سہتے اور نیک بھی
رہتے۔ ایسا ایک کنبہ دریائے نیل کے
کنارے شہر سے ذرا فاصلے پر رہتا تھا۔
میاں بی بی دونوں نہایت نیک تھے۔ اُن
کے ہاں خُدا نے ایک لڑکا دِیا۔ ماں نے
ڈر کے مارے اور اس خیال سے کہ شاید
زندہ رہ جائے۔ اُسے ایک صندوق میں بند کرکے
دریا بُرد[2] کر دیا۔ کسی کو کانوں کان خبر
نہ کی۔ کہ لڑکا ہُوا ہے کیونکہ لڑکے کی

[1] پاک۔ [2] بہا دیا۔

پیدائش کا چھپانا بھی تو جُرم تھا۔

اگلے دن شاہی نجومی نے پیشین گوئی کی کہ گزشتہ رات بنی اسرائیل کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوُا ہے جو بادشاہ کی ڈاڑھی نوچ ڈالے گا۔

کرنا خدا کا ایسا ہوُا کہ صندوق بہتا ہوُا جب شاہی محلات کے پاس سے گُزرا تو وہاں کنارے پر کی جھاڑیوں میں اٹک گیا فرعون کی بیوی کنارے پر کھڑی تھی۔ دیکھ کر صندوق پاس منگوایا تو اس میں ایک نہایت خُوبصورت بھولا بھالا بچّہ انگوٹھا چُوستا ہوُا دیکھا اُس کے دل میں محبّت پیدا ہو گئی۔ اُسے خیال تو تھا کہ یہ بچّہ بنی اسرائیل میں سے ہی ہے، پھر بھی اُس نے اُسے

چھپائے رکھا۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ دُودھ پلانے کے لیے انّا بھی اس بچّے کی ماں ہی مقرّر ہو گئی۔ کئی دِن بعد جب فرعون کو پتہ لگا تو بیوی نے مِنّت سماجت اَور حِیلے بہانے سے اُسے قتل نہ ہونے دیا۔

کبھی کبھی فرعون بھی بچّے کو گود میں لیتا تو بچّہ ہمیشہ اس کی ڈاڑھی کے ساتھ کھیلتا۔ کئی دفعہ بال بھی نوچ ڈالے۔ لڑکا شروع سے ہی ذہین تھا۔ ایسی ایسی باتیں اَور حرکتیں کرتا کہ فرعون حَیران ہوتا کئی دفعہ اُسے غصّہ بھی آتا لیکن بیوی کے سمجھانے بُجھانے سے خاموش ہو رہتا۔

اب وہ جوان ہو چکا تھا۔ اکثر اوقات بنی اسرائیل کو پاس لے بیٹھتا۔ اُن کی

بے بسی اور مظلومیّت کے رونے سُنتا۔ نجات پانے کی تدبیریں سوچتا۔ اُس کی قوم کے لوگ اُس کی عزّت کرنے لگے ؎

بچّے کو چونکہ پانی کے ساتھ اُگی ہوئی گھاس کی جھاڑیوں میں سے نکالا تھا۔ اُس کا نام ہی فرعون کی بیوی نے موسیٰؑ رکھ دِیا۔ جِس کے معنی مصری زبان میں "پانی سے نِکالا ہُوا" بنتے ہیں۔ بنی اسرائیلیوں میں جب کوئی بات ہوتی کوئی تدبیر سوچتے تو فوراً موسیٰؑ سے مشورہ کرتے اور غلامی سے نکلنے کی تدبیریں سوچتے ؎

ایک دِن موسیٰ بازار میں جا رہے تھے۔ دیکھا۔ کہ ایک قبطی یعنی مصری ایک اسرائیلی کو نہایت بیدردی سے مار رہا ہے۔ اُن سے

رہا نہ گیا۔ آگے بڑھ کر قبطی کو زور سے دھکا جو دیا تو اُسے ایسی جگہ ضرب لگی کہ وہ وہیں مر گیا۔ اب موسیٰؑ کو اپنی جان کی فکر ہوئی۔ بھاگے وہاں سے بگٹٹ۔ چھپتے چھپاتے مُلک کنعان کے پاس جا پہنچے۔ وہاں بنی اسرائیل قوم ہی کا ایک بزرگ مِلا۔ جس نے اُنھیں بکریاں چَرانے پر نوکر رکھ لیا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی لڑکی کے ساتھ اُن کی شادی بھی کر دی۔ قریباً بارہ برس موسیٰؑ نے اپنے سسر کی بکریاں چَرائیں ؏

موسیٰؑ تھے بڑے زاہد، پرہیزگار، نیکوکار، عبادت گزار۔ مصر میں اپنے بھائی بند بنی اسرائیل جو غلام بن چکے تھے اور فرعون کے ظُلم سہتے تھے۔ اُن کو کسی طرح آزاد کرانے کا بھی خیال ہر وقت دامن گیر تھا۔ اسی دُھن میں بارہ

سال بعد اپنے وطن لوٹنے کا اِرادہ کیا۔ اپنی بیوی کو ساتھ لیے جب کوہِ طور[1] کے پاس پہنچے تو طویٰ نامی وادی میں ایک درخت پر آگ کا شعلہ نمودار ہوا۔ ان کو اس وقت آگ کی ضرورت تھی۔ آپ فوراً وہاں پہنچے تو آواز سُنی۔ "موسیٰؑ یہ جگہ مُتبرک ہے۔ جُوتے اُتار کے اُوپر چڑھ اور اپنی لاٹھی زمین پر ڈال۔"

ڈالی تو وہ ایک زبردست اژدھا بن گئی۔ موسیٰؑ ڈر گئے۔ پھر اٹھائی تو وہ معمولی لاٹھی تھی۔

پھر حُکم سُنا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں دے کر باہر نکال۔ نکالا تو وہ سُورج کی مانند چمکتا تھا[2]۔ فرمایا کہ جاؤ مِصر۔ فرعون

[1] جزیرہ نمائے سینا میں۔ [2] ظاہر۔

کو فرعونیّت سے ڈراوٴ۔ اپنی قوم کو غلامی
سے آزاد کراوٴ ؛
"بسرو چشم" کہہ کر موسیٰؑ چل پڑے

مِصر پہنچ کر خُدا کا پیغام مِصریوں کو،
اُن کے بادشاہ فرعون کو اور اپنی غلام قوم
کو سُنایا۔ بنی اسرائیل ظُلم سے سہمے ہوئے
تھے، ڈرے ہوئے تھے، اُن کے ضمیر مُردہ
تھے، خُدا کو بُھلا کر فرعون کو سجدہ کرتے
تھے۔ بڑی مُشکل سے مُوسیٰؑ کا مطلب اُن
کی سمجھ میں آیا اور آپ نے اُن کو مِصر سے
نِکل چلنے پر راضی کیا۔ فرعون کو خبر ہوئی
تو اُن کو طلب کیا۔ بے دھڑک دربار میں
پہنچے۔ خُدا کا پیغام سُنایا۔ ظلم سے باز
رہنے کا وعظ کیا۔ اُس نے اپنے جادُوگروں

سے مقابلہ ڈلوا دِیا۔ اُنھوں نے رسّیاں پھینک کر سانپ بنائے۔ حضرت مُوسیٰؑ کے عصا[1] نے سانپ بن کر سبھی کو نِگل لیا اور ہاتھ سے سُورج کی سی شعاعیں پیدا کر دِیں۔ یہ معجزہ کوئی جادُوگر نہ کر سکا۔ بلکہ جادُوگر خود حضرت مُوسیٰؑ کے پیرو بن گئے۔

فرعون نے بنی اسرائیل کے قتل کا حُکم دے دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے راتوں رات اپنی ساری قوم کو ساتھ لے کر بحرِ احمر کی ایک شمالی آبنائے کے پاس پہنچ گئے۔ پیچھے فِرعون کا لشکر، آگے پانی! آواز آئی کہ "اپنا سونٹا دریا پر مار اور جھٹ پٹ پار اُتر جاؤ۔"

جُونہی پانی کو عصا لگا دریا میں راستہ بن گیا۔ جب سب قافلہ پار ہو چُکا تو فِرعون

[1] سونٹا۔ ڈنڈا۔

کا لشکر بھی راستہ دیکھ بیچ میں سے گزرنے لگا۔ درمیان میں پہنچے تو پانی مل گیا اور تمام لشکر مع فرعون[1] غرق ہو گیا ؛

حضرت موسیٰؑ چالیس سال تک بنی اسرائیل کو جزیرہ نمائے سینا، فلسطین اور شام میں لیے پھرے۔ بنی اسرائیل کی طبیعت کچھ ایسی ہو چکی تھی۔ کہ راستی پر آتے ہی نہیں تھے۔ ہر موقع پر کوئی نہ کوئی شرارت کر بیٹھتے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پاکر جب حضرت موسیٰؑ فوت ہوئے تو تمام عراق۔ فلسطین اور شام کے علاقوں میں بنی اسرائیل کے

---

[1] چند سال گزرے کہ ایک لاش بحیرۂ روم یا بحیرۂ عرب سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ مصر کے عجائب خانے میں ہے۔ اکثر کا قیاس تھا یہ لاش اسی فرعون کی ہے ؛

بارہ قبیلے حکومت کر رہے تھے ۔ سب سے بڑا اور زور دار فرقہ یہُود کا تھا۔ اُسی سے بنی اسرائیل کا نام یہُودی پڑ گیا ؛

یہ تھا کارنامہ ایک ایسے شخص کا جو ایک مظلُوم غلام قوم میں پیدا ہُوا اور مُدّت تک غُلام ہی کہلاتا رہا۔ مگر آخر اپنے تدبّر۔ عقل اور خُدا داد ذہانت کے باعث بہت بڑے رُتبے پر پہنچ گیا۔ حضرت مُوسیٰ بہت بڑے پیغمبر تھے ؛

لُقمان

ایشیائے کوچک کے مشہور بندر گاہ سمرنا سے چالیس میل جنوب مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا جزیرہ بنام ساموس آباد ہے۔ کبھی یہ یونانیوں کے قبضے میں رہا، کبھی ایرانیوں کے ہاتھ آیا، کبھی رُومیوں نے وہاں گھوڑے دَوڑائے اور کبھی سیریا (شام) والوں نے اور کبھی یہ جزیرہ تُرکوں

لہ مُلک عرب کے اُوپر مغرب کی طرف ایک مُلک ۔

لہ مُلک یونان کے رہنے والے ۔ یونان یورپ کے جنوب کو بحیرۂ رُوم میں جزیرہ نما ہے ۔

کے قبضے میں آگیا:

حضرت عیسیٰؑ سے قریباً چھ سو سال پہلے یہ جزیرہ نما یونانیوں کے پاس تھا۔ چھوٹا سا جزیرہ تھا مگر تہذیب کے مرکز سے قدرے فاصلے پر۔ آتے جاتے جہاز وہاں ٹھہرتے اور لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا کے دُور دُور مُلکوں میں لے جاتے:

اس جزیرے میں ایک خاندان رہا کرتا تھا جو کئی پُشتوں سے غلام تھا۔ اُن کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ نہایت سیاہ فام۔ چپٹی ناک۔ موٹے موٹے ہونٹ۔ کچھ ٹیڑھی سی ٹانگیں اور بھدّا سا چھوٹے قد کا۔ غلام ماں باپ نے کہا "کیسا بھدّا غلام زادہ آیا ہے اسے تو مُفت میں بھی کوئی نہ لے گا۔" خیر بچارا بڑھا اور

جوان ہوا۔ چونکہ عوام چھوڑ ماں باپ بھی
نفرت کرتے تھے۔ وہ حیران پریشان رہتا۔
ہم عمر ساتھی بھی پرے ہٹاتے۔ کہیں باہر
بھاگ جاتا تو پکڑا آتا۔ لات گھونسے سے
تواضع[1] ہوتی اور کام پر لگا دیا جاتا۔ وہ
اکثر سوچ بچار میں رہا کرتا۔ لوگ کہتے کہ
سڑی ہے۔ وہ اکثر ہمجولیوں اور دوسروں
کو کچھ نصیحت کی باتیں بتاتا یا جانوروں کی
ٹوٹی پھوٹی کہانیاں دل سے جوڑ کر بتاتا
لوگ کہتے کہ پاگل بھی ہے۔

ایک دن تنگ آکر بچارا گھر سے بھاگا
کنارے پر پہنچا تو ایک سوداگر نے پکڑ
لیا اور ملک لیڈیا میں جاکر بیچ دیا۔ چند
دِن کے بعد مالک کو اس کی شکل اور

[1] خاطر۔

اُس کی باتوں سے نفرت ہو گئی اور وہ بکتے بکاتے یونان پہنچ گیا۔

یونانی مالک قدرے رحم دِل تھا۔ اُسے اِس بھدّے بھونڈے غلام پر کچھ ترس سا آ گیا اور اُس کی کہانیاں بھی پسند آئیں۔ وہ آدمیوں کے جلسوں اور عورتوں کی محفلوں میں بَیٹھ کر اُن کو عجیب عجیب کہانیاں سُناتا۔ لوگ مزے سے سُنتے۔ خُوب لُطف اُٹھاتے۔ دل بہلاتے مگر جب وہ غلام کہانیوں کا نتیجہ بنا کر اُن سے اُس کے مطابق عمل کرنے کو کہتا تو لوگ تمسخر اُڑانے لگتے۔ ہوتے ہوتے اپنی حِکمت[1] بھری کہانیوں کی وجہ سے وہ بہت مشہور ہو گیا۔ نہ فقط مشہور ہی ہُوا بلکہ اکثر لوگ اُس کی عزّت کرنے لگے۔ اُس کی عقل و فراست[1] کی داد[2] دینے لگے۔ شروع

[1] سمجھ بوجھ۔ [2] تعریف کرتے۔

شروع میں تو اُسے تمسخر سے حکیم کہتے۔ مگر آخر سچ مُچ ہی حکیم یعنی دانا مانا جانے لگا۔ آج کل حکیم سے مطلب صرف طبیب معالج[1] کا لیا جاتا ہے مگر دراصل اس کے معنی دانا بزرگ زیرک کے ہیں۔ غلامی کا طوق[2] تو گلے سے نہ اُترا مگر بڑے بڑے امیروں وزیروں سے زیادہ اس کی قدر ہونے لگی۔ خود بادشاہ نے اُسے عزّت بخشی۔ ساری پابندیاں اُس پر سے ہٹا لیں؛

اس غلام زادے کا نام لُقمان تھا۔ حکیم لُقمان اور اس کی کہانیاں اب تک مشہور ہیں۔ مُسلمان تو اُنھیں حضرت لقمان کہہ کر پُکارتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کا خاص

---

[1] بیماری کا علاج کرنے والا؛

[2] پھندا۔ گھیرا۔

وَعظ کرتے تھے۔ کہ " خُدا ایک ہے۔ اگر ایک
نہ ہو تو خُدائی کا کام ہرگز نہیں چل سکتا۔
اس کا شریک کِسی کو نہ بناؤ۔ ہمیشہ سچ بولو۔
خواہ تمھاری جان پر بن جائے۔ کِسی پر ظُلم
نہ کرو۔ خواہ اِنسان ہو خواہ حیوان۔ ہمیشہ
اِنصاف کرو۔ کیونکہ بے اِیمانی کا نتیجہ آخر
خراب ہوتا ہے ؛

کل کے واسطے کچھ بچا رکھو

دِیمک نے ایک جنگل کے کِنارے اپنا گھر بنایا ہوا تھا۔ گرمی اور برسات بھر اپنے کھانے کا ذخیرہ مکان کی کوٹھڑیوں میں نہایت احتیاط سے جمع کر رکھا تھا۔ گرمیوں میں اور خاص کر برسات میں دِیمک ہر جگہ لگ جاتی ہے۔ لکڑی تو اس کی من بھاتی خوراک ہے۔ درختوں کو کھا جاتی ہے اناج اور دالوں کا ذخیرہ الگ حفاظت سے نہ رکھا ہو تو اُسے ہضم کر جاتی ہے۔

گھروں میں دروازوں - کھڑکیوں - صندوقوں بلکہ کپڑوں تک میں لگ کر کھا جاتی ہے۔ اس کا مکان اندر سے ایسی صفائی حکمت اور کاری گری سے بنا ہوتا ہے۔ کہ ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ کاری گر اور معمار نہیں بنا سکتے - ان کے محل میں موسمِ سرما میں تمام بستی کے لیے کھانے کا ذخیرہ جمع رہتا ہے ؛

کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی - بھوک اور سردی کا مارا ایک ٹڈا محل کے دروازے پر آیا اور کہنے لگا - "بھوک سے مر رہا ہوں - اللہ کے نام پر کچھ کھانے کو دو"

دیمک بولی - "ارے اِتنے لہلہاتے کھیتوں میں ساری گرمی گزاری - ہر قسم کا گھاس - ہر قسم کی سبزی - ہر قسم کا اناج بے خوف کھاتا رہا - کہاں ہے جو کچھ سردیوں کے

واسطے بچا کے رکھا۔ اب آیا ہے بھیک مانگنے تجھے شرم نہیں آتی ÷

"مَیں نے تو تمام موسِم گرما کھا پی کر اَور دوستوں کو سُریلے راگ سُنا سُنا کر گزار دیا۔ کُچھ نہ بچا سکا۔" ٹِڈّے نے جواب دِیا "بہت اچھّا مِیاں ٹِڈّے! اگر گرمیاں کھانے اَور گانے کی رنگ رلیوں میں گزارِیں تو اب سردیاں ناچ کُود کر گزار لو۔ ہمارے پاس تمھارے جَیسے عاقبت نا اندیش اَور نِکھٹّوؤں کے واسطے کچھ نہیں۔" دِیمک نے جواب دیا۔ اَور ٹِڈّا اپنا سا مُنہ لے کر چلا گیا ÷

زمین کی دَولت

بُوڑھا کِسان بیمار پڑ گیا۔ بچنے کی کوئی آس نہ رہی۔ اپنے لڑکوں کو بُلا کر کہنے لگا۔ "ہم تو اب اگلے جہان کی تیاری کرتے ہیں۔ بیٹا! اِتفاق سے رہنا۔ پیار سے رہنا۔ میری جو دَولت ہے کھیتوں میں ہے۔ اُسے کِسی صُورت کِسی دُوسرے کے ہاتھ نہ جانے دینا۔ مال دَولت اگر تم چاہو۔ تو کھیتوں میں ہاتھ دو ہاتھ نِیچے گڑا ہے۔ برابر تقسیم کر لینا۔" نصیحت و وصیّت کرتے ہی کِسان نے دَم

توڑ دیا۔ کفن دفن کے بعد لڑکوں کو روپے
کا خیال آیا۔ کہ زمین کے نیچے گڑا ہے۔ پہلے
اُسے نکال کے اِستعمال کریں۔ ہَل، کدالیں
اور بیلچے لے کر کھیت میں پہنچے۔ پہلے معمولی
طور پر ہَل چلایا۔ کچھ نہ نِکلا۔ پھر گہرا چلایا۔
کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ اب کدالوں اور
بیلچوں سے مٹی اُوپر نیچے کر دی۔ مگر کوئی
چیز دبی ہو تو نکلے! فائدہ یہ ہُوا کہ زمین
کی کھُدائی گہری ہو گئی۔ ڈھیلے پتّھر کنکر
نکال باہر پھینک دِیے گئے۔ مٹی ایک جیسی
ہو گئی؛

کِسان کے بیٹے سخت مگر بے حاصِل محنت
پر بیٹھے افسوس کر رہے تھے۔ دِل میں کچھ
خفگی بھی تھی۔ کہ اُن کے باپ کا ایک
دوست پہنچ گیا اور کہنے لگا۔ "بچّو! یہ

کھُدائی جو تم نے کی ہے اور گہرا ہل چلایا ہے اس نے تمھاری زمین کی پیداوار کو دُگنا کر دیا ہے اس میں اب بیج بو دو پھر دیکھو خدُا کیا کرتا ہے ۔ دوُ ایک ہاتھ نیچے دَولت کا یہی مطلب ہے ۔ نقدی کون کھیتوں میں گاڑتا ہے ؟"

جب فصل پک کر تیار ہوئی تو اُس کی دُگنی قیمت پڑی ۔ آس پاس کے پڑوسی کِسان حَیران رہ گئے ٭

(ادب کے واہ ۔ تے رَج کے کھا)

دُوسروں پر سَہارا

بٹیر نے گیہوں کے کھیت میں گھونسلا بنایا۔ انڈے دِیے۔ بچّے نِکلے۔ گیہوں کا کھیت پک کر تیار کھڑا تھا۔ بیساکھی کا مِیلہ گُزر گیا اَور اب کھیت کٹنے والا تھا۔ دانہ دُنکا چُگنے کے لیے بٹیر باہر گیا تو بچّوں سے کہہ گیا۔ کہ "آج کل کِسان آکر کھیت کو کاٹنے والا ہے۔ جب دیکھنے آئے تو کان لگا کر سُننا کہ کیا کہتا ہے۔" شام کو واپسی پر بچّوں نے کہا کہ "کسان آیا اَور ساتھی سے

کہا " بھئی رات پڑوسیوں کو پیغام دے آنا
کہ کل آ جائیں۔ اس کھیت کو کاٹیں گے"۔
بٹیر نے کہا کہ " ابھی خیر ہے۔ کوئی ڈر نہیں"۔
تین دِن پڑوسیوں کے اِنتظار میں گزر گئے۔
چوتھے دن بچّوں نے بٹیر کو بتایا کہ کِسان
اپنے بیٹے سے کہہ رہا تھا کہ رات اپنے رِشتہ
داروں کو پیغام دے آنا کہ کل آ کر فصل
کاٹنے میں میری مدد کریں۔ بٹیر نے کہا
"کوئی خطرہ نہیں۔ ابھی ہم یہاں رہ سکتے
ہیں۔" چار پانچ دِن اَور گزر گئے۔ مگر فصل
کاٹنے کوئی نہ آیا۔ شام کو بچّوں نے بٹیر
سے کہا " آج کِسان اپنے بیٹے سے کہہ
رہا تھا کہ کوئی کم بخت مدد کو نہیں آتا۔
چھوڑو بیٹا اُن کا خیال۔ کل ہم خود ہی
کاٹنا شروع کر دیں گے۔ زیادہ دِن لگ جائیں

گے مگر فصل تو خراب نہ ہو گی۔" بٹیر نے کہا۔" بیٹا اب اُڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ صُبح صُبح ہی کسی دُوسرے کھیت میں چلیں۔ اب اُس نے خُود اِرادہ کر لیا ہے۔ تو سمجھو کام شروع ہو جائے گا:

چور کا ساتھی

کِسان بیچارا کونجوں اور راج ہنسوں سے تنگ آ گیا تھا۔ جو بیج وہ بوتا اُسے چٹ کر جاتے۔ جو پھوٹ پڑتے۔ اُن کو بھی چر چگ جاتے۔ بہتیرا اُڑاتا، پتھر پھینکتا، مگر وہ پیچھا نہ چھوڑتے۔ آخر اُن کو بھی اپنا پیٹ پالنا تھا۔ ایک رات کِسان نے کھیت میں جال لگا دیا۔ کہ جو آئے پھنس جائے۔ چند دِن بھون بھون کر مزے سے کھاؤں گا۔ صبح جب آیا تو بہت خوش ہوُا۔ کئی کونجیں اور ہنس پھنسے پڑے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ ایک بڑا بگلا بھی پھنسا تھا اور وہ بچ جانے کے لیے سب سے زیادہ زور لگا رہا تھا۔ کِسان کو

دیکھتے ہی اُس نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا۔
اَور جب نزدیک پہنچا تو منتیں اَور خوشامدیں
شروع کر دیں۔ "خدا کے واسطے مجھے چھوڑ
دو۔ مَیں اس سے پہلے کبھی تمہارے
یں کیا کِسی اَور کے کھیت میں بھی نہیں
یں تو جوہڑوں کے کِنارے چل پھر کر
پالتا ہوں۔ اللہ کے واسطے مجھ پر اِس
رحم کرو۔ مَیں پھر کبھی اِدھر مُنہ نہیں
مجھے خواہ مخواہ یہ ہنس اپنے ساتھ۔
کِسان نے جواب دیا۔ کہ "جو چوروں ک
کا ساتھ دے اُس کی بھی وہی سزا